الطاف فاطمہ

(حالاتِ زندگی)

الطاف فاطمہ ۱۹۲۹ء میں لکھنؤ میں فضل آمین خان کے ہاں پیدا ہوئیں۔ جو مسلم ریاست جاورہ کے چیف سیکرٹری تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد لاہور آئیں۔ لیڈی میکلیگن ٹریننگ کالج لاہور سے بی۔ ایڈ کیا۔ اورینٹل کالج لاہور سے اُردو میں ایم۔اے کیا اور گورنمنٹ کالج برائے خواتین لاہور میں اُردو کی استاد مقرر ہوئیں اور یہیں سے اپنے عہدے سے سبکدوش ہوئیں۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن پر اُن کے متعدد ڈرامے اور فیچر نشر ہو چکے ہیں۔

الطاف فاطمہ نے ناول نگار اور افسانہ نگار کی حیثیت بہت شہرت حاصل کی ہے۔ ان کی تحریروں کی سب سے بڑی خصوصیت ان کی دردمندی ہے۔ معاشرتی زندگی میں لوگوں پر جو طرح طرح کے ظلم ہو رہے ہیں۔ الطاف فاطمہ نے بڑی شدّت سے ان کے خلاف احتجاج کیا ہے اور اس مقصد کے لیے تیکھے طنز سے کام لیا ہے۔ اس لیے اُن کی تحریروں میں درد، کرب اور غم موجود ہے۔ وہ طنز کے ذریعے معاشرے کی خامیوں کی اصلاح کی آرزومند ہیں۔ اس لیے وہ زندگی میں جہاں بھی جھول اور ظلم دیکھتی ہیں۔ وہاں طنز کرنے سے نہیں چوکتی۔ اُن کے طنز میں بڑی گہرائی ہوتی ہے۔

الطاف فاطمہ کو زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے۔ اُن کی زبان ہمیشہ سادہ اور عام فہم ہوتی ہے۔ جس میں شگفتگی، برجستگی اور بے ساختگی بدرجہ اَتم موجود ہوتی ہے۔ جملوں میں سادگی کے ساتھ ادبی حُسن بھی موجود ہوتا ہے۔ اُن کی تحریروں میں تشبیہات بھی موجود ہوتی ہیں۔ جو بیان کو خوبصورت اور دلچسپ بناتی ہیں۔

اُن کے افسانے ندرتِ موضوع کی وجہ سے مقبول خاص و عام ہوئے۔ اُن کے بیش تر افسانوں کا موضوع اچھوتا ہے۔ اُن کے ناولوں اور افسانوں کے کردار ہماری زندگی کے جیتے جاگتے کردار ہوتے ہیں۔ اِن کرداروں سے ہم زندگی کے ہر موڑ پر ملتے ہیں بلکہ اِن کرداروں میں ہمارے ہی جذبات و احساسات کی عکاسی ہوتی ہے۔

اُن کی مشہور تصانیف میں نشانِ محفل (ناول) دستک دو۔ چلتا مسافر، وہ جسے چاہا گیا (افسانوں کا مجموعہ)، رات کا کھیل، نغمے کا قتل، دیواریں گریہ کرتی ہیں، دستک نہ دو (اس پر انہیں ادبی انعام بھی دیا گیا) شامل ہیں۔

نیا گوتم

(الطاف فاطمہ)

مقاصدِ تدریس

۱۔ طلبہ کو اُردو افسانے میں تدریجی ارتقا سے آگاہ کرنا۔
۲۔ اُردو افسانے کے فکری رجحانات سے واقفیت دلانا۔
۳۔ الطاف فاطمہ کے افسانوی کرداروں سے متعلق آگاہی دینا۔
۴۔ الطاف فاطمہ کا اسلوبِ تحریر اور فنی خصوصیات بتانا۔

خاص الفاظ و تراکیب: بے گیاہ ۔ قطع زمین ۔ حدِ فاصل ۔ برگد کا درخت ۔ زمانِ حیات ۔ بطن ۔ وَحدتِ الوجود عشرتِ قطرہ ۔ آئیوی۔ کوکھ ۔ وائرس

کے ڈی ہاؤس نمبر گیارہ کی کہنہ اور زرد رُو عمارت کا اونچا کالا آہنی گیٹ دوپہر کی آمد سے قبل دس اور گیارہ کی درمیانی اور معمول کے مطابق طاری رہنے والی خاموشی میں ڈوبا اور چپ چاپ ہے۔ آج سے تیس پینتیس سال یا اس سے بھی کچھ قبل کے طرز کے مطابق بنی چار دیواری کے اطراف چھپا بے گیاہ کمپاؤنڈ بے رونقی اور بے مذاقی کا شکار ہے۔

اس کمپاؤنڈ کے اُس طرف والے حصے میں مزنگ بلاک کی متوقع تعمیر کا اعلان کرنے والا بورڈ ہر آنے جانے والے کو ہمیشہ کی طرح اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ ہوسٹل کی عمارت اور مزنگ بلاک والے قطع زمین کے درمیان حدِ فاصل قائم کرنے والے درختوں میں چند شیشم کے درخت ہیں اور ان کے درمیان ایک برگد کا درخت کھڑا ہے۔

برگد کا درخت اور ایک طویل زمانِ حیات کا تصور ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ نہ جانے کتنے زمانے اور صدیاں یہ اپنی لپیٹ میں لیتا چلا جاتا ہے۔ تاریخ کا تسلسل اور کھوئے ہوئے سارے زمانے اس کے بطن میں محفوظ رہتے ہیں۔ برگد کے درخت کا بطن یعنی شاخوں اور ڈالیوں سے پھوٹ پھوٹ کر نکلنے والی قوتِ نمو اپنے اظہار اور نمود کے بے پناہ جذبے اور خواہش سے مغلوب ہو کر برگد کی داڑھیوں کی شکل میں باہر نکل پڑتی ہے اور پھر اس تیزی سے بڑھتی ہیں کہ ایک بار ہی جھک کر زمین کو مضبوطی سے تھام لیتی ہے اور پھر زمین کی کوکھ دھیرے دھیرے کھلتی ہے اور اس کے آخری سِروں کو اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہے اور باریک باریک رگوں جیسی شاخوں والی داڑھی جو نَس نَس ہو کر بکھری تھی پھر ایک تنے سے متصل ہو کر اپنا وجود مسلّم کر لیتی ہے۔

برگد کا درخت عالمِ نباتات میں وجود کی شکست و ریخت اور ضرب در ضرب وجود کے تسلسل اور زندگانی کی جُہد کی دلچسپ ترین داستان ہے ہم نے حیات اور وجود کی اس ٹوٹ پھوٹ اور عملِ ضربی کو فلسفۂ وحدت الوجود کا نام دیا۔ برگد کا درخت عشرتِ قطرہ کی عملی تفسیر اور تشریح ہے۔ ایک واضح اور مکمل فارمولا۔ اور گوتم کو جب زندگی کی توڑ پھوڑ، ضرب در ضرب کے عمل اور

اس کی درمیانی کڑیوں نے مایوس کیا۔

؎ تو وہ برگد کے پیڑ کے نیچے جا بیٹھا
سرنگوں اور شکست خوردہ ہو کر

اور اپنی اس شکست اور احساسِ شکست کو اس نے گیان و دھیان کا نام دیا۔

لیکن عجو! زندگی کی اس توڑ پھوڑ اور اپنے اندر دوڑتی ہوئی اس وائرس (Virus) کے عمل ضربی سے ہراساں ہو کر تم نے تو برگد کے درخت کا رُخ نہیں کیا۔ تم نے تو اپنی مایوسی اور شکست خوردگی کو گیان اور دھیان جیسے مرعوب کُن پردوں میں لپیٹ کر پُراسرار نہیں بنایا اور جب کہ برگد کے پیڑ تک پہنچنے کے لیے پاٹلی پتر کے محلوں کو چھوڑ کر جانے کی ضرورت نہ تھی، برگد کا پیڑ تو خود تیرے ہوسٹل کی عمارت کے بالکل قریب کھڑا تھا:

یوں جیسے وہ رگِ جان ہو!

مزنگ بلاک اور ہوسٹل کی عمارت کے درمیان۔

اور تُو اس سے بے نیاز۔ اپنے اندر اور باہر کو چاٹتی ہوئی، اِس وائرس اور اِس کے عملِ ضربی کے نتیجے میں بیدار ہونے والے سارے دُکھوں کو اپنے مختصر سے وجود میں یوں لیے پھرتی تھی جیسے وہ بھی قدرت کا ایک عطیہ ہو، جس کو تُو سنبھال کر رکھ رہی تھی۔

؎ بے شک تحفہ تحفہ ہی ہوتا ہے
خواہ وہ کتنا ہی گراں بار کیوں نہ ہو

پھر یوں ہوتا ہے کہ ہم میں سے بہت سے ایسے گراں بار تحفوں کی سہار سے عاجز نظر آتے ہیں۔ وہ اس کے بوجھ تلے کچلے جاتے ہیں، بلکتے ہیں، نیل کرتے ہیں اور واویلا مچاتے ہیں، اور ہم میں سے کتنے ہوتے ہیں جو غم اور دکھ کے بارِ عظیم کو ایک انمول تحفے کی طرح سینے سے لگا کر رکھتے ہیں اور جب ہم اپنے غموں سے چپکے چپکے سمجھوتہ کر لیتے ہیں اور جب ہم اپنے دکھوں سے رازداری اور وفاداری کا پیمان باندھ لیتے ہیں تو پھر زندگی کی سب سے دل کش داستان شروع ہوتی ہے کہ ہم غم کے اسرار کے امین ہوتے ہیں اور دنیا ہمارے حال پر ہنستی ہے۔ میرا مطلب ہے روتی ہے اور ہم دنیا پر ہنستے ہیں کہ وہ نہیں جانتی کہ ایک استوار وعدۂ رازداری کا ایک مستقل پیمان، زندگی کا حسین ترین رُخ ہوتا ہے۔

تو عجو، بات یہ ہے کہ تم اپنے دکھ کی امین تھیں۔ ایک باوفا اور پوری امانت دار، جبھی تو تم کے ڈی ہاؤس کی زرد عمارت اور اس کے بے گیاہ کمپاؤنڈ سے ایک بے فکر چڑیا کی طرح ہنستی مسکراتی نکل کر کوئنز روڈ کی مصروف، اہم اور چمکتی ہوئی سیاہ سڑک

کے ساتھ ساتھ فٹ پاتھ پر چلتی ہوئی گنگارام کی عمارت میں داخل ہوتی تھیں۔ چھوٹا سا سفید اوورآل پہنے، گلے میں اسٹیتھوسکوپ ڈالے۔

اور یہ چیزیں علامت ہیں مسیحائی کی۔

تم جنرل وارڈ کے مریضوں کے سرہانے کھڑی ہوتی تھیں۔ اپنی بچوں کی سی معصوم مسکراہٹ اور نرم نرم آواز کے ساتھ اُن کی کیس ہسٹری لیتی تھیں۔ تم نے ان کو بارہا مداوائے درد کی نوید سنائی تھی اور کبھی دکھ سے یہ بھی سوچا تھا کہ:

اپنا ہی مداوا نہ کر سکے

تم نے ان کے دکھ سنے۔ ان کی موجودہ اور گزشتہ سے پیوستہ تکلیفوں کا کھوج لگایا۔ تمہارے معصوم سے تبسم نے ان سے بہت سے ان کہے وعدے بھی کیے، لیکن ان میں سے کتنے ہوں گے جنھوں نے تمہارے اندر کی چوری کو پکڑا ہوگا۔

ہاں عذرا، تمہاری آنکھوں میں چور تھا اور تمہاری یہ چوری میں نے کب کی پکڑ لی تھی۔ یہ بھی میرے اور تمہارے درمیان ایک راز تھا کہ جب بھی تم مجھے کہیں ملیں کوئنز روڈ کے کسی موڑ پر یا گنگارام کی راہ داری میں یا کسی وارڈ کے آگے چلتی پھرتی یا کھڑی بیٹھی۔ خالد کے آفس میں یا عطیہ کے ساتھ، میں نے تم سے کبھی پوچھ کے ہی نہ دیا۔

یا یوں کہو کہ باہر ایک دنیا والوں کو اطمینان دلا دیا کہ میں خوش ہوں۔ میرا دل گمانوں سے پاک ہے اور مجھے کوئی غم نہیں۔ میں نے دکھ کی مملکت کو تسخیر کرلیا۔ لیکن عجو! مملکتوں کا تسخیر کرنا ہی تو ازلی اور ابدی دکھ ہے۔ کون جانے اس تسخیر کرنے والے کا دل اندر سے کتنا بھاری ہو۔ سکندرِ اعظم نے ہر مملکت کو تسخیر کرنے کے بعد رات کی تنہائیوں میں کتنی بار آنسو بہائے ہوں گے۔ نپولین کی محبوبہ نے کتنی بار اپنے بازوؤں پر اُس کے اشکوں کی نمی کو محسوس کیا ہوگا اور عذرا تمہارے نرم نرم تکیے کی دَبازت میں کتنی بار تمہاری پلکوں کے ستارے بکھر بکھر کر محفوظ ہوئے ہوں گے! ان باتوں کا حساب کون دے سکتا ہے؟ یہی تو انسان اور زندگی کے درمیان راز ہوتے ہیں۔ اِن رازوں پر پردہ پڑا رہنا ہی بہتر ہے، لیکن بعض راز ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا انکشاف کر کے ہمارا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔ تو ایسا ہی ایک چھوٹا سا انکشاف میں بھی کرتی جاؤں۔

عجو! آج میں تمہارے ہوسٹل گئی تھی، حالاں کہ جب تمہارے کراچی جانے سے قبل میں تم سے ملنے گئی تھی تو وہاں سے اُترتے وقت میں نے سوچا تھا کہ میں اِس ہوسٹل میں پہلی اور آخری بار آئی ہوں۔ یہ لڑکی جسے الوداع کہنے میں آج یہاں اس زینے پر سے گزر کر آئی تھی، اب کبھی واپس نہ آنے کے لیے جا رہی ہے اور اب بھلا میں یہاں کا ہے کو آؤں گی، لیکن آج میں اُس طرف گئی ہر طرف خاموشی تھی، سکوت تھا اور سناٹا۔ اس لیے نہیں کہ تم یہاں نہ تھیں بلکہ اس لیے کہ یہاں اِس وقت سناٹا ہوا ہی کرتا ہے۔ یوں کہ اِس وقت یہاں رہنے والی لڑکیاں چارہ گری کے آخری مدارج طے کرنے کے لیے گنگارام کی طرف روانہ ہو چکی

ہوتی ہیں اور تم بھی تو چارہ گری کے اس مرحلے میں تھیں تو خیر کوئی بات نہیں۔

میں وہاں گئی تھی، مگر کس کے پاس یہ مجھے خود نہیں معلوم۔ پھر میں چلتی چلتی وہاں جا کر کھڑی ہوئی جہاں تین چار آدمی ایک بلند و بالا اور ہرے بھرے شیشم کو جڑ کے قریب سے کاٹنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ یہ درخت آج نہیں، کل ضرور گر جائے گا، میں نے سوچا اور ابھی یہ ہرا بھرا ہے۔

نکلے کے قریب ہوسٹل کا چپڑاسی بیٹھا تھا۔ کس سے ملنا ہے؟ اُس نے مجھے بے مقصد کھڑے دیکھ کر سوال کیا۔ کس سے بتاؤں، میں نے سوچا۔ ڈاکٹر عطیہ سے! حالاں کہ مجھے معلوم تھا کہ وہاں اس وقت موجود نہیں۔ تب وہ بولا۔ آیئے میں آپ کو لے چلوں آٹھ نمبر کمرہ ہے، ہم صدر دروازے سے راہداری میں داخل ہوئے جس کی چوبی دیواریں منقش ہیں۔ بھاری اور مضبوط کٹہرے والے زینے پر سے گزر کر وہ برآمدے کو جانے والے دروازے کو بڑی دیر تک کھٹکھٹاتا اور مائی کو آواز دیتا رہا۔

مجھے معلوم تھا وہاں کوئی نہیں بولے گا، مگر میں بڑی مستعدی سے یوں کھڑی رہی جیسے کوئی ابھی آئے گا اور دروازہ کھول دے گا۔ چوبی کٹہرا گرد آلود تھا۔ اس پر مہینوں پہلے کی خاک جمع تھی۔ اچھا تو اس میں اس لڑکی کے قدموں کی دھول بھی ہوگی۔ جو گوتم تھی اور اپنے وقت کی بدھ بھی کہ اس کو دُکھ کا عرفان تھا اور اس نے اس کے متعلق گیان بھی کیا تھا۔

یہ نئے دور کے بدھ اور گوتم کا گیان تھا کہ اگلے وقتوں کے گوتم نے اپنے گیان کے لیے ضروری سمجھا کہ وہ آبادیوں اور بستیوں سے دور جا کر برگد کے پیڑ تلے بیٹھے اور انسان سے دور رہ کر انسان کے المیے پر غور کرے اور آج کے گوتم کو بدھی یعنی اپنے اندر کی روشنی کے لیے کسی برگد کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کا برگد خود اس کے اندر موجود ہوتا ہے۔ تناور اور صدیوں کا پرانا برگد۔ ضرورت فقط تلاش اور باطن کی آنکھ کی ہے جو آج بھی کم یاب ہے اور اس وقت بھی نایاب تھی۔

سو عذرا تم نے اپنا برگد خود اپنے آپ میں پالیا تھا۔ اور اپنے آپ کی چھایا تلے بیٹھ کر تم نے یہ بدھی پائی کہ موت و حیات ایک ہی شے کے دو نام ہیں۔ حیات جہاں پر جاتی ہے وہاں موت کے قدموں کی چاپ موجود ہے اور زندگی کے دوسرے سرے کا نام موت ہے۔ جبھی تو تم اپنی جاتی ہوئی حیات کے قدموں سے بے نیاز لیبر روم میں کھڑی نئی زندگیوں کو باہر آنے میں مدد دیتی تھیں اور پھر خوشی خوشی ہر دکھ سے مبرا آواز میں بتاتی تھیں۔ ''آج میں نے اتنی نئی زندگیوں کو دنیا میں آنے میں مدد دی ہے۔''

تب میں نے اُس آدمی سے جو شیشم کے تنے پر مستقل تبر مار رہا تھا، سوال کیا، ''تم اس درخت کو کیوں کاٹ رہے ہو؟''

''مزنگ بلاک کے لیے زمین صاف کر رہے ہیں۔''

''اوہ! اچھا تو پھر سارے درخت کاٹ دو گے؟''

''ہاں! یہ! یہ بھی، میں نے برگد کے درخت کی طرف اشارہ کیا۔''

''ہاں یہ بھی۔''

''ہاں ضرور کاٹ دو!''......اُس نے میری طرف غور سے دیکھا گویا پوچھتا ہو کیوں!

میں اُس بلند و بالا آہنی گیٹ سے باہر آ گئی۔ میں نے مطمئن نظروں سے اُس انسان کی طرف دیکھا جو بے وجہ میرے لیے دروازہ کھٹکھٹا تا رہا تھا اور جس کو خبر نہیں کہ میں اس حقیقت سے پہلے ہی باخبر تھی کہ دروازہ نہیں کھلے گا۔

اور عذرا تم بھی اس راز سے آگاہ تھیں کہ چارہ گر لاکھ سر مارے، دعائیں ہزار دستک دیں، اب دروازہ نہیں کھلے گا۔

اور اس راز کی آگاہی نے تم پر عرفان کے در وا کر دیے تھے بغیر کسی پاٹلی پتر کو چھوڑے اور بغیر کسی برگد کے تلے بیٹھے۔

چناں چہ، مجھے اس شخص کے سوال کا جواب سوجھ رہا تھا جو مجھے یوں دیکھ رہا تھا جیسے پوچھتا ہو کہ اس درخت کے کاٹنے پر تم نے کیوں اصرار کیا؟

ہاں! اب میں اس سے کہہ سکتی تھی۔

بے شک تم اس درخت کو کاٹ دو کہ آج کے گوتم کو برگد کے درخت کی ضرورت نہیں۔ نیا گوتم مزے سے اوور آل پہنے اسٹیتھوسکوپ گلے میں ڈالے بیماروں کو مژدۂ حیات دیتا ہے اور آپ اپنی چھاؤں تلے اپنے دکھوں کا گیان حاصل کرتا ہے۔

(ماخذ)

مشق

ا۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف) گوتم نے اپنے احساس کو کیا نام دیا؟

ب) مستقل بیانِ زندگی کا حسین ترین رُخ کیا ہوتا ہے؟

ج) مسیحائی کی علامت کونسی چیزیں ہیں؟

د) ہوسٹل کا چپڑاسی کہاں بیٹھا تھا؟

ہ) عذرا کی آنکھوں میں کیا تھا؟

و) سکندرِ اعظم نے ہر مملکت کو تسخیر کرنے کے بعد کب آنسو بہائے ہوں گے؟

ز) آج کے گوتم کو اپنے اندر کی روشنی کے لیے کس چیز کی ضرورت نہیں؟

ح) موت کے قدموں کی چاپ کہاں ہوتی ہے؟

۲۔ متن کے مطابق درست جواب دیں۔

الف) ہم اپنے غموں سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ (چپکے چپکے ۔ آہستہ آہستہ ۔ فی الفور)

ب) یہ چیزیں علامت ہیں۔ (دانائی کی ۔ مسیحائی کی ۔ عقل مندی کی)

ج) عذرا آواز کے ساتھ کیس کی ہسٹری لیتی ہیں۔ (نرم نرم ۔ تلخ ۔ میٹھی میٹھی)

د) ان کی موجودہ اور گزشتہ سے پیوستہ کا کھوج لگایا۔ (بیماریوں ۔ دکھوں ۔ تکلیفوں)

ہ) ہاں عذرا تمہاری آنکھوں میں تھا۔ (چور ۔ ہمدردی ۔ خوشی)

و) بہت سے تحفوں کی سہار سے نظر آتے ہیں۔ (مجبور ۔ عاجز ۔ بے بس)

ز) عذرا نے دنیا کو اطمینان دلایا کہ میں ہوں۔ (دکھی ۔ خوش ۔ غمگین)

۳۔ متن کے مطابق درست (✓) اور غلط (✗) کی نشاندہی کریں۔

الف) عذرا ایک استانی تھی؟

ب) برگد کا درخت عالمِ نباتات میں شکست و ریخت کی دلچسپ ترین داستان ہے۔

ج) عذرا نے دنیا والوں کو اطمینان دلایا کہ وہ خوش ہے۔

د) درخت کے قریب ہوسٹل کا چپڑاسی بیٹھا تھا۔

ہ) آدمی مزنگ بلاک کے لیے تمام درخت کاٹ رہے تھے۔

و) زندگی کے دوسرے سرے کا نام موت ہے۔

ز) آج کے گوتم کو برگد کے درخت کی شدید ضرورت ہے۔

۴۔ افسانہ ''نیا گوتم'' میں سب سے نمایاں کونسی چیز ہے؟

۵۔ افسانہ ''نیا گوتم'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

۶۔ افسانہ ''نیا گوتم'' کا مرکزی خیال بیان کریں۔

۷۔ عذرا کی شخصیت پر مختصر روشنی ڈالیں۔

۸۔ بہ حوالہ متن درج ذیل عبارت کی تشریح کریں۔ نیز سیاق و سباق بھی لکھیں۔

برگد کا درخت اور ایک طویل زمانِ حیات .... شکل میں باہر نکل پڑتی ہے۔

سرگرمیاں

۱۔ اساتذہ کرام طلبہ سے معاشرتی و عملی زندگی کے مسائل کے حوالے سے ان کے جذبات و خیالات اور مافی الضمیر کے اظہار کے حوالے سے مضمون تحریر کروائیں اور ان سے اس کا زبانی اظہار بھی کروائیں۔

۲۔ اخبارات، رسائل و جرائد میں خبروں، فیچروں۔ اداریوں، رپورٹوں، اشتہارات اور خطوط بنام مدیر کو ان کی خصوصیات کے حوالے سے پڑھوائیں اور ان کا تجزیہ کروائیں۔

۳۔ کمرۂ جماعت میں الطاف فاطمہ کے چند اور افسانے بھی سنوائے جائیں۔

اشاراتِ سبق

۱۔ اساتذہ کرام! طلبہ کو اُردو افسانے کے تدریجی ارتقا سے آگاہ کریں۔

۲۔ اُردو افسانے میں مختلف رجحانات کے بارے میں بتائیں۔

۳۔ الطاف فاطمہ کے اسلوبِ تحریر پر لیکچر دیں۔

۴۔ اُردو افسانوی ادب میں الطاف فاطمہ کا مقام بتائیں۔